THE HOUSE INSIDE US



حصہ دوم

دہلیز 7

ہمارے اندر کا گھر

کئی برسوں تک میں سمجھتا رہا کہ یادداشت ایک آرکائیو ہے۔

ایک برتن۔

ایک طرح کا اندرونی گودام، جس میں حقائق، نام، تاریخیں، چہرے اور واقعات محفوظ کیے جائیں۔

یہ ایک منظم تصور تھا۔

عقلی۔

حتیٰ کہ تسلی بخش۔

پھر وقت نے مجھے کچھ اور سکھایا۔

یادداشت محفوظ نہیں کرتی۔

یادداشت بستی ہے۔

یہ آرکائیو نہیں۔

یہ ایک جگہ ہے۔

اور ہر جگہ کی طرح اس کے کمرے ہیں۔

راہداریاں۔

دروازے۔

کھڑکیاں۔

کچھ اکثر کھلتے ہیں۔

کچھ برسوں بند رہتے ہیں۔

یہاں تک کہ کچھ، اچانک، انہیں دوبارہ کھول دیتا ہے۔

یہ ایک مہک ہو سکتی ہے۔

ایک گلی۔

ایک تصویر۔

بے دھیانی میں سنا ہوا ایک لفظ۔

اچانک ہم حال میں نہیں رہتے۔

ہم کہیں اور لوٹ چکے ہوتے ہیں۔

جسمانی طور پر نہیں۔

باطنی طور پر۔

اور حیرت ہوتی ہے کہ وہ جگہیں کس طرح موجود رہتی ہیں۔

مجھے ایسے لمحے یاد ہیں جن کے بارے میں سمجھتا تھا کہ انہیں بھول چکا ہوں۔

معمولی مناظر۔

ایک میز۔

ایک آواز۔

ادھ کھلا چھوڑا ہوا ایک دروازہ۔

ایک عام دن۔

دہائیوں تک وہ خاموش رہتے ہیں۔

پھر وہ تقریباً پریشان کن باریکی کے ساتھ ابھر آتے ہیں۔

جیسے وہ انتظار میں ٹھہرے رہے ہوں۔

اور شاید بات بالکل یہی ہے۔

شاید یادداشت واقعی بھولتی نہیں۔

شاید وہ چنتی ہے۔

سنبھال کر رکھتی ہے۔

انتظار کرتی ہے۔

میں اتنا جی چکا ہوں کہ لوگوں کو غائب ہوتے دیکھا ہے۔

جگہوں کو بدلتے۔

شہروں کو اپنا چہرہ بدلتے۔

پوری پوری دنیاؤں کو تحلیل ہوتے۔

اور پھر بھی کچھ باقی رہا۔

یادداشت۔

حسرت کے طور پر نہیں۔

تسلسل کے طور پر۔

حسرت پیچھے دیکھتی ہے۔

یادداشت جوڑتی ہے۔

یہ ایک اہم فرق ہے۔

برسوں میں نے ایسے لوگ دیکھے جو ماضی کے قیدی تھے۔

اور دوسرے، جنہیں ماضی نے روشن کر دیا تھا۔

پہلے والے لوٹنے کی کوشش کرتے تھے۔

دوسرے والے جو کچھ جی چکے تھے اسے حال کو بہتر سمجھنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

یادداشت دونوں کام کر سکتی ہے۔

یہ ایک قید خانہ بن سکتی ہے۔

یا ایک کتب خانہ۔

یہ اس بات پر منحصر ہے کہ ہم اسے کیسے استعمال کرتے ہیں۔

وقت گزرنے کے ساتھ میں دوسرے امکان کو ترجیح دینے لگا۔

میں ماضی میں رہنا نہیں چاہتا تھا۔

میں اس سے مکالمہ کرنا چاہتا تھا۔

کیونکہ ہر تجربہ ایک نشان چھوڑتا ہے۔

ہر ملاقات ایک نشان چھوڑتی ہے۔

ہر محبت۔

ہر غلطی۔

ہر رخصت۔

ہر نقصان۔

ہر کامیابی۔

ہر چیز کچھ نہ کچھ چھوڑ جاتی ہے۔

اور جو کچھ وہ چھوڑ جاتی ہے، وہ ہمارے تصور سے کہیں زیادہ ہم پر اثر ڈالتا رہتا ہے۔

کبھی کبھی میں نے خود سے پوچھا ہے کہ ہمارے اندر اب بھی کتنے لوگ رہتے ہیں۔

وہ نہیں جو موجود ہیں۔

وہ جو موجود نہیں۔

ایک باپ۔

ایک استاد۔

ایک دوست۔

کوئی پیارا۔

ایک رفیقِ کار۔

کبھی کبھار کی ایک موجودگی۔

بہت سے برسوں پہلے جا چکے ہیں۔

اور پھر بھی وہ ان فیصلوں کے ذریعے بولتے رہتے ہیں جو ہم کرتے ہیں۔

ان اقدار کے ذریعے جن کا ہم دفاع کرتے ہیں۔

ان اصولوں کے ذریعے جن سے ہم غداری نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔

اس معنی میں یادداشت آباد ہے۔

اس کے اندر ہم کبھی اکیلے نہیں ہوتے۔

ہم اپنے ساتھ پوری پوری غیر مرئی برادریاں لیے پھرتے ہیں۔

اپنے سفروں کے دوران میں بہت سی جگہوں پر گیا ہوں۔

کچھ شاندار۔

کچھ آسانی سے بھول جانے والی۔

کچھ جنہیں بیان کرنا ناممکن ہے۔

وقت کے ساتھ مجھ پر ایک عجیب مظہر کھلا۔

اصل جغرافیہ اور اندر کا جغرافیہ شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔

کچھ شہر ہیں جہاں میں برسوں رہا اور مجھے وہ بہت کم یاد ہیں۔

اور کچھ جگہیں ہیں جن سے میں صرف چند دنوں کے لیے گزرا اور وہ میرے اندر زندہ رہتی ہیں۔

کیونکہ یادداشت وقت نہیں ناپتی۔

یہ معنی ناپتی ہے۔

یہ وہ سنبھال کر رکھتی ہے جس نے ہمیں بدل دیا۔

جس نے کوئی گہرا نشان نہیں چھوڑا، اسے مدھم ہونے دیتی ہے۔

اسی لیے دو لوگ ایک ہی واقعہ جی سکتے ہیں اور اسے بالکل مخالف انداز میں یاد رکھ سکتے ہیں۔

وہ واقعہ نہیں سنبھالتے۔

وہ معنی سنبھالتے ہیں۔

اور معنی ہمیشہ ذاتی ہوتے ہیں۔

عمر کے ساتھ ہم ایک اور سبق بھی سیکھتے ہیں۔

یادداشت ساکن نہیں ہوتی۔

یہ ہمارے ساتھ ساتھ بدلتی ہے۔

ایک ہی واقعہ بیس، چالیس، ساٹھ یا اسی برس کی عمر میں مختلف معنی اختیار کر لیتا ہے۔

واقعہ ہوبہو وہی رہتا ہے۔

دیکھنے والا بدل جاتا ہے۔

اور دیکھنے والے کا بدلنا، تعبیر کا بدلنا ہے۔

اس دریافت نے بہت سی چیزوں سے صلح کرنے میں میری مدد کی۔

میں نے سمجھا کہ مجھ پر لازم نہیں کہ ہر چیز کو ایک ہی طرح یاد رکھوں۔

کہ میں پرانے تجربوں کو نئے انداز سے پڑھ سکتا ہوں۔

کہ کچھ باتیں معاف کر سکتا ہوں۔

کچھ دوسری باتیں سمجھ سکتا ہوں۔

کچھ اور باتوں کو قبول کر سکتا ہوں۔

کیونکہ یادداشت کوئی عدالت نہیں۔

یہ ایک مکالمہ ہے۔

کبھی سخت۔

کبھی شیریں۔

مگر ہمیشہ کھلا۔

کچھ لوگ ایسے ہیں جو ساری زندگی ماضی کو مٹانے کی کوشش میں گزار دیتے ہیں۔

میں نہیں سمجھتا کہ یہ ممکن ہے۔

اور شاید یہ مطلوب بھی نہ ہو۔

کیونکہ ماضی میں وہ مادہ ہے جس سے ہم بنے ہیں۔

اسے مٹانا خود کو مٹانا ہوگا۔

کہیں بہتر ہے اسے سمجھنا۔

کہیں بہتر ہے اسے ترتیب دینا۔

کہیں بہتر ہے اس کے ساتھ ساتھ چلنا سیکھنا۔

جب میں آج پیچھے دیکھتا ہوں تو مجھے برسوں کا ایک سلسلہ نظر نہیں آتا۔

مجھے جگہیں نظر آتی ہیں۔

اندر کی جگہیں۔

کچھ روشن۔

کچھ مشکل۔

کچھ اب بھی پراسرار۔

مگر سب ضروری۔

سب ایک ہی تعمیر کا حصہ۔

شاید یہی وہ بات ہے جو وقت ہمیں سکھانے کی کوشش کرتا ہے۔

یادداشت لوٹنے کے کام نہیں آتی۔

یہ سمجھنے کے کام آتی ہے۔

یہ، جو کچھ ہم رہے ہیں، اسے تسلسل دینے کے کام آتی ہے۔

یہ ہماری کہانی کو بے ربط واقعات کا سلسلہ بننے سے بچانے کے کام آتی ہے۔

راستے کے اختتام پر یادیں باقی رہتی ہیں۔

مگر اس سطحی انداز میں نہیں جیسا ہم اکثر تصور کرتے ہیں۔

وہ خطوں کی طرح باقی رہتی ہیں۔

اندرونی مناظر کی طرح۔

ایسی جگہوں کی طرح جہاں ہم ہر بار لوٹتے ہیں جب ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ ہم کون ہیں۔

اسی لیے، اتنے برسوں بعد، میں یادداشت کو اب ذہن کا ایک فعل نہیں سمجھتا۔

میں اسے ایک وطن سمجھتا ہوں۔

سرحدوں کے بغیر ایک وطن۔

جھنڈوں کے بغیر۔

کسی پتے کے بغیر۔

ایک جگہ جو، میں جہاں بھی جاؤں، میرے ساتھ چلتی رہتی ہے۔

کیونکہ یادداشت کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ہم مالک ہوں۔

یہ وہ جگہ ہے جس میں ہم جیتے رہتے ہیں، ہر اس چیز کے ساتھ جس نے ہمیں وہ بنایا جو ہم ہیں۔

یادداشت ایک جگہ ہے۔